© rasailojaraid.com

فکر و نظر — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم — مدیر

قرآن میں ملت کا تصور

قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور میں، مارچ ۱۹۸۱ء میں مختلف موضوعات پر محاضرات ہوئے، جن میں ۲۹ مارچ ۱۹۸۱ء کو "قرآن میں ملت کا تصور" کے موضوع پر "محدث" کے مدیر اعلیٰ جناب حافظ عبدالرحمٰن صاحب مدنی نے خطاب فرمایا، یہ خطاب ہم "محدث" کے فکر و نظر کے صفحات میں ہدیۂ قارئین کر رہے ہیں۔

واضح رہے کہ حافظ صاحب ایسے موضوعات پر خطاب کرتے ہوئے تمہیداً یہ بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمارے لیے قرآنی ہدایات اور نبوی تعلیمات ہی اصل اہمیت رکھتی ہیں، کہ ان سے عملی زندگی میں راہنمائی بھی ملتی ہے اور الجھنوں سے نجات بھی۔ عام طور پر ہمارے ہاں جو اسلامی فلسفے بیان کرنے کا رجحان ہو گیا ہے، اس سے اگر مقصود غیر اسلامی فلسفوں کا ابطال یا اسلام کی غلط تعبیروں کی تصحیح ہو تو ٹھیک ہے، کہ دفاعی نقطۂ نظر سے فلسفیانہ غلطیوں کی تصحیح کے لیے افکار کی فلسفیانہ تعبیر زیادہ مؤثر رہتی ہے۔ لیکن اس غرض سے پیش کی جانے والی یہ انسانی تفہیم و تعبیر اسلام کی کامل تشریح نہیں کہی جا سکتی، جیسا کہ "قرآن میں ملت کے تصور" کی تشریح کرتے ہوئے حافظ صاحب نے ملت کے امتیازات کے لیے "تہذیبی اور ثقافتی امتیازات" کا بار بار ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ مغالطہ نہ ہونا چاہیے کہ اسلامی ملت کی تشریح "اسلامی تہذیب و ثقافت" سے کامل و اکمل طور پر ہو جاتی ہے۔ بلکہ "تہذیب و ثقافت" کے الفاظ "ملت" کے امتیازات واضح کرنے کے لیے بیان کیے گئے ہیں۔ ورنہ "تہذیب و ثقافت" کے موجودہ تصورات کی نہ بعینہٖ وہ حیثیت ہے اور نہ وہ "ملت" کی وسعتوں کا احاطہ کر سکتے ہیں۔

تہذیب و ثقافت کے الفاظ سے مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ ملت کے بارے میں جو بعض لوگوں کو محض نظریات ہونے کا شبہ پڑتا ہے، غلط ہے، بلکہ ملت کا زیادہ تعلق لائحۂ عمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ہے لیکن جس کی بنیاد عقائد و نظریات ہوتے ہیں !

"محدث" کے گذشتہ شمارہ میں "قرآن میں حکم (حاکمیت) کے تصور" پر روشنی ڈالی گئی تھی جبکہ زیرِ نظر شمارہ میں "قرآن میں ملت کے تصور" کو موضوعِ بحث بنایا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حکم (حاکمیت) اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور جس طرح حاکمیت اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لیے نہیں مانی جا سکتی۔ اسی طرح ملت کی تشکیل رسول کے علاوہ کسی کے ہاتھوں انجام نہیں پا سکتی۔ اسی مناسبت سے مدنی صاحب کے ان ہر دو خطابات کو یکے بعد دیگرے "محدث" میں شائع کیا جا رہا ہے !

(ادارہ)

کافی عرصہ سے اسلامی تعلیمات میں کمزور رہ جانے اور غیر اسلامی تعلیمات کے غلبہ کی وجہ سے جہاں ہم علمی اعتماد سے محروم ہوتے ہیں، وہاں شعوری یا غیر شعوری طور پر ہم میں قرآنی اصطلاحات ان معنوں میں استعمال ہونے لگی ہیں جو معنے قرآن مجید کے نہیں بلکہ حقیقت میں وہ مغرب کے ہیں۔ گویا کہ مغرب نے ہمارے لیے پہلا کام یہ کیا کہ ہمیں قرآنی اصطلاحات سے ناآشنا کیا اور اپنی اصطلاحات ہم پر ٹھونسیں۔ اور اگر کہیں مسلمانوں نے ان قرآنی اصطلاحات کو استعمال کیا بھی تو انہوں نے دوسرا کام یہ کیا کہ انہی اصطلاحات کو وہ معنی پہنا دیے جو قرآنِ مجید میں مراد نہیں !

ملت :

چنانچہ "ملت" کا لفظ ہمارے ہاں کئی لفظوں کے ساتھ مل کر استعمال ہوتا ہے اور اس کی وجہ مغرب کے وہی مغالطے ہیں جن کا اوپر ہم نے ذکر کیا ہے۔ کبھی تو "ملت" کا لفظ ہمارے ہاں قوم کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی دین کے معنوں میں —— کہیں شریعت کے معنوں میں تو کہیں اسے کسی مخصوص ہیئتِ اجتماعیہ کے معنی پہنا دیے جاتے ہیں —— ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ قرآنِ مجید اس لفظ کو کن معنوں میں استعمال کرتا ہے، کہ اس کے بغیر ہمارے لیے اس لفظ کی صحیح تعبیر ممکن نہیں !

قرآنِ کریم کی خاص لغت، جس میں قرآنی مفاہیم کو بڑے صحیح انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، "مفردات امام راغب" ہے۔ اور امام راغب اپنی اس کتاب میں بیان کرتے ہیں کہ ملت کی اضافت نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے نہ کسی فرد کی طرف اور نہ ہی افراد کی طرف —— مثلاً یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی ملت، میری ملت، زید کی ملت یا چند افراد کی ملت : —— اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ ہی یہ ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسے کہہ دیا جائے کہ "نماز ملّت ہے!"

دین :

جبکہ دین کا لفظ ان ساری جگہوں میں استعمال ہوتا ہے، مثلاً اللہ کا دین، میرا دین، زید کا دین یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نماز دین ہے ـــــ وغیرہ!

ملّت کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف یا کسی فرد یا شریعت کی کسی جزء کی طرف کیوں اضافت نہیں ہوتا اور دین کی کسی چیز سے نسبت کیوں ممکن ہے؟ ـــــ اس سوال کا جواب سمجھنے کے لیے ہمیں دین کی تعریف کو سمجھنا ہوگا تاکہ دین اور ملّت کا فرق واضح ہو سکے۔

دین کی تعریف ـــــ دین اور ملّت میں فرق :

دین کا بنیادی مفہوم طاعت، تابعداری، وفاداری یا اپنے آپ کو پابند بنالینا ہے۔ گویا کہ دین ہمارا اللہ تعالیٰ سے وہ تعلق ہے جس کی بناء پر ہم اپنی وفاداری کو خدا تعالیٰ سے وابستہ کرتے ہیں، اس اس کی اضافت خدا کی طرف بھی ہوتی ہے ـــــ ہم چونکہ اس وفاداری کے حامل ہیں اس لیے اس کی اضافت ہماری طرف بھی ہوتی ہے ـــــ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے ذریعے بھی ہماری وابستگی خدا تعالیٰ سے ہوتی ہے، اس لیے دین کی اضافت ان کی طرف بھی ہوتی ہے ـــــ لیکن ملّت، اس خاکے یا نقشے کا نام ہے جو اس وفاداری کے تعلق کی بناء پر قائم ہوتا ہے جس کی ایک اعتبار سے تعبیر ہم تہذیب و ثقافت سے کر سکتے ہیں، اور جو کسی فکر و عمل کی بناء پر مترتب ہوتی ہے ـــــ اب دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ فکر تو دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم تو آتا ہے لیکن تہذیب و ثقافت اللہ تعالیٰ کی طرف سے قائم نہیں ہوتی بلکہ وہ نبی آن کر قائم کرتا ہے۔ اسی لیے اس کی اضافت صرف نبیﷺ کی طرف ہوتی ہے۔ یا کل امت کی طرف جو اس کی حامل ہوتی ہے۔

دین، شریعت اور ملّت :

یہیں ایک اور سوال سامنے آتا ہے کہ اگر بات یہی ہے تو پھر تو "ملّت" شریعت کا ہم معنی ہوا؟ ـــــ نہیں اس لیے کہ :

دین کا مفہوم تو عام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا وفاداری کا جو رشتہ اور رابطہ ہے، اس کے لیے دین کا لفظ استعمال ہوا ـــــ اور :

---

۱ اسی طرح کا قرانہ ملّت کی نسبت اس شخص کی طرف ہو گی جس کا مقام اس معاشرے میں ایسا ہو جیسے اسلام میں نبی کا مقام ہوتا ہے ـــــ مثلاً قریش میں عبدالمطلب کا مقام!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس وفاداری کے رشتہ کو قائم کرنے کے لیے ہم اپنی زندگی میں جو اعمال کرتے ہیں، اپنی زندگی جس طرح گزارتے ہیں یا زندگی گزارنے کے لیے جو طریقے ہمیں بتائے گئے ہیں، ان کا نام شریعت ہے؛

یہی وجہ ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک، تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہے، اس لیے کہ ان سب کا مقصود یہ ہے کہ سارے کے سارے بندے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہو جائیں اور ان کا وفاداری کا رشتہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی سے استوار نہ ہو، لیکن اس رشتۂ وفاداری کی استواری کے لیے جو تعلیمات دی گئی ہیں، ان میں اختلاف ہوتا ہے، جو شریعت کا اختلاف ہے۔

مثلاً موسوی دین میں نماز اور طرح تھی، عیسوی دین میں اور طرح ——— اور محمدی دین میں نماز اور طرح کی ہے ——— اگرچہ یہ بھی ساری کی ساری دین ہیں، اس لیے کہ جو شخص موسیٰؑ پر ایمان لایا اور آپؑ کی شریعت پر عمل پیرا ہے، وہ نماز اس لیے اس طرح پڑھتا ہے کہ موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کی وفاداری کا طریقہ یہ بتلایا ہے ——— اور اگر عیسیٰؑ نے اس میں تھوڑا سا فرق کیا ہے تو اس نے اس فرق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وفاداری کی ——— گویا صرف ظاہری فرق ہے لیکن مقصود دونوں کا وہی ایک یعنی اللہ تعالیٰ سے وفاداری ہے ——— اسی لیے اگر کوئی شخص موسیٰؑ کے بعد عیسیٰؑ کے آجانے سے شریعت میں جو تبدیلی واقع ہوئی ہے اسے تسلیم نہیں کرتا یا اس پر عمل نہیں کرتا تو حقیقت میں اس نے دین سے انکار کر دیا کیونکہ اس نے اس وفاداری کے عہد کو توڑ دیا ——— اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر موسیٰ، عیسیٰ علیہما السلام اب آجائیں اور تم میری شریعت کو چھوڑ کر ان دونوں کی شریعت پر عمل پیرا ہو جاؤ تو تمہاری نجات نہیں ہو سکتی، بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اگر خود موسیٰؑ آجائیں اور وہ میری شریعت کی اتباع نہ کریں تو ان کی نجات بھی نہیں ہو سکتی ——— گویا دین ایک ہے اور یہ اس رشتہ و رابطۂ وفاداری کا نام ہے جس کا عہد اللہ تعالیٰ سے ہے ——— اور شریعت ان طریقوں کا نام ہے جن پر عمل کر کے اللہ تعالیٰ سے وفاداری نباہی جاتی ہے ——— اور یہ طریقے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آجانے کے بعد اب ان میں تبدیلی ممکن نہیں رہی۔

اور ملت؛ کسی حد تک جس طرح دین سے مختلف ہے، اسی طرح شریعت سے بھی مختلف ہے ——— اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ قرآن کریم میں سب سے زیادہ ملت کا لفظ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ استعمال ہوا ہے، بلکہ ملتِ ابراہیمؑ کو ایک معیار بنا لیا گیا ہے اور بار بار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا جاتا ہے کہ آپ ملتِ ابراہیمی کی پیروی کریں، قرآن مجید میں ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا"

کہ "یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ تم یہودی یا عیسائی بن جاؤ، لیکن (اے نبیؐ) آپ فرما دیجیے، ہم تو ملتِ ابراہیمی کی اتباع کرتے ہیں"!

حالانکہ یہود و نصاریٰ بھی ملتِ ابراہیمی پر کاربند ہونے کے دعویدار ہیں، تو پھر آخر کیا وجہ ہے کہ ملتِ ابراہیمؑ ہی کو معیار بنالیا گیا ہے؟ آخر آپؐ سے پہلے بھی تو رسول گزرے ہیں، نوحؑ[1]، ہودؑ، صالحؑ، لیکن ان کے لیے ملّت کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ اصل یہ ہے کہ جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، کہ دین طاعت، انقیاد اور وفاداری کا نام ہے ــــ اسی وفاداری کی بناء پر کچھ تہذیبی امتیازات

---

[1] آدمؑ ظاہر ہے، نوحؑ سے پہلے ہو گزرے ہیں، لیکن ابراہیمؑ سے پہلے رسولوں کے نام گنواتے ہوئے نوحؑ سے ابتداء اس لیے کی گئی ہے کہ آدمؑ رسول نہیں صرف نبی ہیں۔ نبی اور رسول میں فرق یہ ہے کہ نبی وُہ ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ ہدایات آتی ہیں جن کے ذریعے وُہ اپنے مخاطبین کو راہنمائی دیتا ہے۔ چونکہ وہاں کوئی مستقل بگاڑ موجود نہیں ہوتا۔ اس لیے زندگی گزارنے کے لیے جزوی ہدایات دے دی جاتی ہیں، لیکن جب کوئی ایسا بگاڑ موجود ہو جو جڑیں پکڑ لے، معمولی بگاڑ نہ رہے بلکہ یہ ایک مستقل راستہ اختیار کر لے تو اس بگاڑ کو ختم کرنے کے لیے جزوی ہدایات کی بجائے ایک مکمل پروگرام دینے کی ضرورت ہوتی ہے ــــ ایک مکمل لائحہ عمل، جس کا حامل رسول ہُوا کرتا ہے، چنانچہ ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے تقریباً تین سو رسول ہیں اور باقی نبی۔

آدمؑ کو دنیا میں بھیجا گیا، آپؑ کی اولاد ہوئی اور یہ سب موحد تھے، کہیں اگر کوئی غلطی ہوتی تھی تو اس سے متعلق ہدایت کا نزول ہو جاتا تھا۔ اس ہدایت کی بناء پر آدمؑ نبی قرار پائے۔ اور نوحؑ رسول ہیں۔ بخاری و مسلم وغیرہ میں آپؑ کو "اول الرسل" کہا گیا ہے اور قرآن مجید نے بھی یہیں سے ابتداء فرمائی ہے:

"شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ"

کہ "تمہارے لیے وہی دین مشروع ہے جس کی وصیت نوحؑ کو کی گئی اور آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔"

یہاں "شَرَعَ" کے لفظ سے یہ مغالطہ نہ ہو کہ نوحؑ اور محمد رسول اللہ کی شریعت ایک ہے، اصل میں یہاں بتایا یہ جا رہا ہے کہ دین تو ایک ہے، لیکن اس دین پر چلنے کا راستہ جس طرح نوحؑ کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اسی طرح آپؐ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قائم کیے جاتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے کچھ امتیازات قائم کیے تھے۔ جو ملّتِ ابراہیمی کے نشانات قرار پائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپؑ کو بڑے بڑے امتحانات میں ڈالا گیا اور آپؑ نے ان امتحانات میں کامیاب ہو کر جگہ جگہ خدا تعالیٰ کی وفاداری کے وُہ امتیازات قائم کیے کہ ابراہیمؑ اس سلسلہ میں مثال بن گئے حتیٰ کہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

"اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا"

کہ "میں آپ کو (دُنیا بھر کے) لوگوں کا امام بنا رہا ہوں"!

حضرت ابراہیمؑ کے توحید و عمل کے یہی امتیازات ہمارے تہذیبی امتیازات ہیں اور چونکہ آپؑ اس سلسلہ میں ایک مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے ملّتِ ابراہیمؑ کو معیار بنایا گیا ہے، حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی یہی حکم دیا گیا کہ آپ ملّتِ ابراہیمی کی پیروی کریں —— مزید یہ کہ یہود و نصاریٰ سے آپؐ کا جھگڑا ہوتا تھا، وُہ کہتے تھے، ہم ملّتِ ابراہیمیؑ پر ہیں اور آپؐ فرماتے تھے کہ ملّتِ ابراہیمیؑ پر میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ یوں فرمایا کہ:

"اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاهِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا"

یعنی ان یہود و نصاریٰ کا دعوےٰ جھوٹا ہے، انہوں نے وُہ امتیازات قائم نہیں رہنے دیے جو ملّتِ ابراہیمی کا خاصہ ہیں، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں نے ان امتیازات کو قائم کیا ہے۔

یہیں سے شریعت سے ملّت کا ایک فرق یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ ایک ملّت کے اندر کئی شریعتیں آئیں اور اگر وُہ امتیازات باقی رہیں تو ملّت بہرحال ایک ہے اگرچہ شریعتیں مختلف ہیں۔

پس ملّت ان تہذیبی امتیازات سے قائم ہوتی ہے اور ابراہیمؑ کے قائم کردہ یہ امتیازات اور شعار ایسے ہیں کہ یہ شریعتِ محمّدی کا بنیادی خاکہ ہیں۔ حتیٰ کہ (جیسا کہ تاریخ اسلام کا ہر طالبِ علم واقف ہے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہجرت کے بعد سولہ سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور آپؐ اس لیے پریشان تھے کہ ملّتِ ابراہیمیؑ کا ایک امتیاز آپؐ سے گم ہو گیا تھا، یہ امتیاز یہ تھا کہ نماز بیت اللہ کی طرف منہ کر کے ادا کی جائے، کہ ابراہیمؑ نے بیت اللہ کی تعمیر کی تھی اور آپؑ اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا"!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ "ہم بار بار آپ کا آسمانوں کی طرف چہرہ اٹھنا دیکھ رہے ہیں، ہم عنقریب آپ کو اس قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جس کو آپ پسند کرتے ہیں"!

علاوہ ازیں، محمدی شریعت میں، نماز تو خیر وُہی نماز ہے، تھوڑے سے ارکان کا فرق پڑ سکتا ہے، لیکن حج کتنا بڑا اشعار ہے، یہ ساری یادگار ابراہیمؑ کی ہے، اسی طرح قربانی بھی آپؑ کی یادگار ہے۔ اسی طرح ناخن کاٹنا، گندے بال لینا، ختنہ کرانا، داڑھی رکھنا، مونچھیں منڈانا وغیرہ۔ یہ سب چیزیں ملّتِ ابراہیمؑ کا حصّہ ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ دس چیزیں فطرت سے ہیں، ابراہیمؑ نے یہ کام کیے، تم بھی یہ کام کرو۔ گویا یہ تہذیبی امتیازات ملّت کا ایک حصہ ہوتے ہیں، اور ملّت ان سے قائم ہوا کرتی ہے۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ اسلام اگرچہ آدمؑ سے ہے لیکن سب سے پہلے اسلام کا لقب جس نے اختیار کیا وُہ ابراہیمؑ ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اَسْلِمْ!" "ابراہیمؑ، مسلمان ہو جائیے"!

ابراہیمؑ نے جواب دیا،

"اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ"!

"میں ربّ العالمین کے لیے مسلمان ہو گیا"!

قرآنِ مجید میں یہ بھی ہے،

"مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ۔ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ"!

"اپنے باپ ابراہیمؑ کی ملت کو لازم پکڑو، اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے"!

اس لیے اسلام صرف فکر نہیں، صرف عقیدہ نہیں، اسلام ایک تہذیب بھی ہے، اور اگر کوئی اس تہذیب کو اختیار نہیں کرتا تو گویا وُہ ملّتِ ابراہیمیؑ سے خارج ہے ۔۔۔۔ اور جو ملّتِ ابراہیمیؑ سے خارج ہے وہ ملّتِ محمدیہ سے بھی خارج ہے۔ اس لیے ان امتیازات کو قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔

چنانچہ مسلمانوں میں ہجرت سے ایک بہت بڑا امتیاز قائم ہوا ہے۔ اتنا بڑا امتیاز کہ اہلِ شوریٰ میں یہ دیکھا جاتا تھا کہ سب سے پہلے ہجرت کس نے کی؟ اس قدر اہم کہ قرآن مجید میں ہے:

لہ یہاں یہ اشکال پڑتا ہے کہ ہمارے ہاں مشہور ہے کہ اسلام میں جمہوریت ہے۔ اور جمہوریت کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مختلف علاقوں کے نمائندے بلائے جاتے ہیں، لیکن خلافتِ راشدہ اچھی جمہوریت ہے کہ وہاں کسی جگہ کا نمائندہ نہیں بلایا جاتا، وہیں کے لوگ مل بیٹھتے ہیں، وہیں کے لوگ انتخاب کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"إِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا"!

کہ "جب ظالموں کی (جنہوں نے ہجرت نہیں کی) فرشتے جان قبض کرتے ہیں تو پوچھتے ہیں کہ تم کس حالت میں تھے؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور و ناتواں تھے، تو فرشتے کہتے ہیں، کیا اللہ تعالیٰ کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم اس میں کسی دوسری جگہ ہجرت کر جاتے؟"

دوسری جگہ فرمایا:

"وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً"!

کہ "جو شخص اللہ کے راستے میں ہجرت کرے، وہ زمین میں فراخی اور وسعت پائے گا"!

گویا اسلام میں معیار اصل یہ ہے کہ ملّت سے، اسلامی تہذیب سے، اسلامی ثقافت[1] سے کسی کا

اصل میں یہ دھوکا اس لیے ہوتا ہے کہ ہم نے اسلام کو ایک علاقہ بنا لیا ہے، حالانکہ اسلام علاقہ نہیں، ایک تہذیب ہے، ایک ملّت ہے، ہمارے ہاں لفظ ملک و ملّت استعمال ہوتا ہے، گویا ملک کی بنیاد پر ملّت اور تہذیب بنتی ہے جبکہ اسلام ملک کی بنیاد پر نہ ملّت بناتا ہے نہ تہذیب، اسلام میں ملّت کے معنی ملک کی بنیاد پر نہیں بلکہ عقیدہ و تہذیب کی بنیاد پر ہیں، اس وفاداری کے نظام کی بنیاد پر، اس شریعت کی بنیاد پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتی ہے۔ لہٰذا صحیح لفظ "دین و ملّت" ہے جبکہ "ملک و ملّت" کی ترکیب اسلامی لحاظ سے غلط ہے!

یہی وجہ ہے کہ مجلس شوریٰ میں یہ نہیں ہوتا تھا کہ فلاں علاقہ کے لوگ بلا لیں اور فلاں علاقہ کے بھی تاکہ وہ اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کی نمائندگی کریں بلکہ اسلام میں مجلس شوریٰ کے لیے یہ ہوتا تھا کہ علی الاہماوں کو اکٹھا کیا جائے، خواہ وہ سارے کے سارے ایک جگہ جمع ہوں، جس کے لیے معیار یہ تھا کہ مسلمانوں میں سے سب سے پہلے حلقۂ اسلام میں کون داخل ہوا؟ — اہلِ ہجرت کون ہیں؟ اور اہلِ بدر کون کون ہیں وغیرہ تاکہ ان کو اوّلیں حیثیت دی جائے!

[1] واضح رہے (جیسے کہ ہم نے شروع میں ادارتی نوٹ میں بھی یہ تصریح کی ہے) کہ "ملّت" کا اگرچہ صحیح ترجمہ "تہذیب و ثقافت" نہیں، نہ ہی یہ ملّت کے وسیع معنوں کو محیط ہے، تاہم ہمارے لیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتنا تعلق ہے؟ چنانچہ کوئی شخص اگر مسلمان ہو جائے لیکن وہ مسلمانوں کی تہذیب میں نہیں آتا، ان کی ملت اور معاشرے میں داخل نہیں ہوتا تو اس کی نجات نہیں ہو گی۔ مندرجہ بالا آیتِ قرآنی (اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ ـــــ (الآیۃ) اس دعویٰ کی دلیل ہے۔

ایک مغالطے کا ازالہ:

فقہ کے ظاہری اختلافات کو دیکھ کر بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ بہت بڑا بگاڑ ہے جس نے ملت کو تقسیم کر دیا ہے ـــــ پھر اس بگاڑ کو دور کرنے کا طریقہ یہ بتایا جاتا ہے کہ ملک کی بنیاد پر ایک "مرکزِ ملت" بنایا جائے۔ یعنی تصور یہ دیا گیا کہ ایک ملک میں جو لوگ جمع ہوں، ان کے لیے اس ملک کا حاکم قرآن مجید کے نام پر حکومت کرے اور ان کے لیے شریعت وضع کر کے سب کو اس کی پابندی پر مجبور کرے۔ چونکہ ان کے ہاتھ میں اقتدار ہو گا، جس کی بناء پر سارے کے سارے لوگ یکساں شرعی قوانین

(بقیہ حاشیہ)

مجبوری یہ ہے کہ آج کے اس دور میں تعبیر کے لیے جو الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، ہم انہیں الفاظ کے ذریعے ملت کی تفہیم کر سکتے ہیں، اس لیے کہ یہ الفاظ ہمارے لیے معروف ہیں اور ملت کا لفظ غیر معروف۔ ورنہ لفظِ "ملت" اگر آج ہمارے لیے غیر معروف نہ ہوتا تو ہمیں اس تعبیر کی ضرورت ہی نہ تھی اور اس کا صحیح ترجمہ خود "ملت" ہی ہو سکتا ہے۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ اسلام میں ملت کا تصور حضرت ابراہیمؑ سے قائم ہے، نیز یہ کہ:

ملت (تہذیب) اگر قائم رہے تو اس تہذیب میں اگر جزوی ہدایات میں کچھ تبدیلی بھی ہو جائے تو تہذیب میں فرق نہیں پڑتا جیسے مسلمانوں میں ملت ایک ہے، لیکن اپنے اپنے علاقے کا لباس الگ الگ ہے، رنگ و نسل کا فرق ہے، ایسی معمولی تبدیلیاں ملت پر اثر انداز نہیں ہوتیں اس لیے کہ ملت کے بنیادی امتیازات سب مسلمانوں کے ایک ہونے چاہئیں۔ چنانچہ اگر ملتِ ابراہیمی میں موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعتیں اگرچہ آپس میں مختلف ہیں تاہم یہ ملتِ ابراہیمی ہی رہے گی۔ فرق اس وقت پڑے گا جب ہم ملت کے امتیازات کھو دیں گے اور اس کی بناء پر اللہ تعالیٰ سے جو تعلق ہے وہ ہم ختم کر دیں گے ـــــ یہودی اگر ان امتیازات کو کھو دیں گے تو وہ ملت سے خارج ہو جائیں گے اور ان کی الگ ملت بن جائے گی ـــــ اسی طرح عیسائی، کہ عیسیٰؑ اگرچہ ابراہیمؑ کی اولاد سے ہیں اور انہی کے دین پر آتے ہیں لیکن امتیازات کھو دینے سے ان کی ملت بھی الگ ہو جائے گی!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اختیار کریں گے اس لیے آپس میں کوئی تفریق نہ پیدا ہو سکے گی، حالانکہ اسلام میں یہ ملکی تقسیم ہے ہی نہیں، نہ ہی اسلام میں ملت کی بنیاد ملک ہے، ملت تو تہذیبی امتیازات، اسلامی عقیدہ و عمل کا نام ہے۔

اس لیے یہ تصور جو پرویز صاحب نے اگرچہ قرآن کے نام پر پیش کیا ہے، غیر قرآنی ہے ـــــ اس لیے کہ باقاعدہ بعض شرعی تعلیمات تو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی بھی مختلف ہیں، لیکن ملت سب کی ایک ہے[1] اس لیے ملت کا مرکز تو خود شریعت بھی نہیں ہوتی، کجا یہ کہ فقہ ہو ـــــ اور شریعت اور فقہ میں بھی فرق ہے۔ فقہ، شریعت (کتاب و سنت) کو ضابطہ بنانے کا نام ہے جو مجتہد کا فہم ہوتا ہے جبکہ شریعت وُہ تعلیمات ہیں جو کتاب و سنت کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے نازل فرمائی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر ہم یہ کہیں کہ ہمارے ہاں کئی فقہیں ہیں تو اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا، لیکن اگر یہ کہہ دیا جائے کہ کئی شریعتیں ہیں تو فوراً اعتراض ہوتا ہے کہ یہ غلط ہے کیونکہ شریعت تو ایک ہے۔

پھر ساتھ ہی ایک اور مغالطہ دیا جاتا ہے کہ شریعت اور فقہ ایک ہے، چنانچہ پرویز صاحب نے جتنا بھی رد کیا ہے، فقہ کا کیا ہے لیکن ڈال دیا شریعت کے پلڑے میں، ـــــ کہا یہ جاتا ہے کہ قرآنِ مجید میں شریعت بھی نہیں ہے، حالانکہ قرآنِ مجید تو خود شریعت ہے، شریعت لے کر آیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہوتا ہے کہ اس شریعت کو سمجھنے میں بعض دفعہ ہمارا آپس میں اختلاف ہو جاتا ہے، ائمہ کا اختلاف ہو جاتا ہے تو اس اختلاف کی بناء پر کسی فقہ کو اس امام کی طرف نسبت کر دیا جاتا ہے اور کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ فقہ حنفی ہے، یہ شافعی ہے وغیرہ۔ یعنی امام ابو حنیفہؒ نے اس مسئلہ کو یوں سمجھا، امام شافعیؒ یا مالکؒ نے اس کو کسی اور طرح سے سمجھا۔ گویا فقہ امام کی سمجھ ہوتی ہے، چونکہ امام بدلتے رہتے ہیں، حالات و زمانہ کے بدلنے سے ان کا فہم اور رائے بھی تبدیل ہو سکتی ہے، جبکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حامل شریعت ہیں، شریعت ایک ہے، ایک ہی رہے گی، وہ الہامی ہے لہٰذا غیر متبدل ہے، ہر قسم کے حالات و زمانہ کے لیے ہے، بس تا قیامت ہے ـــــ اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ شریعت بدل جاتی ہے وُہ گویا ہر دم ختمِ رسالت[2] پر ضرب لگاتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ہر دم نیا رسول ہے ـــــ یہی وجہ ہے

[1] حدیث میں آتا ہے کہ انبیاء آپس میں علاتی (باپ شریک) بھائی ہیں گویا اصل ایک ہے۔

[2] محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ذات ہے اور ایک آپؐ کی رسالت ہے۔ ذات میں آپؐ محمد ہیں ـــــ "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" ذات کی حیثیت سے آپؐ اب بھی زندہ ہیں اور تا قیامت زندہ رہیں گے ـــــ آپؐ تا قیامت رسول ہیں!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ پرویز صاحب نے کہا ہے کہ رسول تو اس حاکم کو کہتے ہیں جو قرآن کے نام پر حکومت کرتا ہے۔ گویا پہلے آپؐ رسول تھے، آپؐ کے بعد ابوبکرؓ رسول ہیں، پھر عمرؓ ——— وعلیٰ ہذا القیاس ——— آج جو شخص بھی قرآن ہاتھ میں لے کر کہتا ہے کہ میں اس کی تعبیر کرتا ہوں اور اس کے ہاتھ میں اقتدار بھی ہو، وہ گویا ان کے نزدیک رسول ہو گا ——— اس طرح ایک مستقل نئی رسالت" کا مسئلہ پیدا کر دیا ہے، لہٰذا ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ "مرکزِ ملت" کا تصور، قرآن کے نام پر قرآن ہی کے خلاف اعلانیہ بغاوت ہے اور حاملِ قرآن کے خلاف سازش بھی!

قوم:

لفظِ قوم نے بھی ملت کا تصور بہت حد تک بگاڑا ہے۔ قرآنِ مجید کے اعتبار سے قوم کا لفظ ملت سے بہت مختلف ہے، ہمارے ہاں لفظ "مسلمان قوم" مروج ہے، حالانکہ یہ قرآنی تصور نہیں، مغربی ہے جسے مسلمانوں میں رواج دیکر مسلمان بنا لیا گیا ہے ——— قرآنِ مجید میں کافی آیات ایسی ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام نے اپنے ہی ہم نسل لوگوں کو، جبکہ دین کا فرق تھا، "میری قوم" کہہ کر مخاطب کیا ہے ——— اگر قوم کی بنیاد دین و مذہب ہو (مثلاً مسلمان قوم) اور قوم دین کی بنیاد پر بنتی ہو تو پھر ایک ہی نسل کے لوگوں کو دین کے اختلاف کے باوجود، "میری قوم" کہہ کر پکارنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ جبکہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے مخاطبین کو، حالانکہ وہ کافر تھے، "یٰقومِ" "اے میری قوم" کہہ کر پکارا ہے؟ ——— حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کفارِ قریش کو بحکمِ الٰہی یوں مخاطب فرمایا:

"قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ!"

کہ "(اے نبیؐ) آپ فرما دیجئے، اے میری قوم، تم اپنی جگہ عمل کرو، میں اپنی جگہ عمل کرنے والا ہوں ....!"

اگر مذہب کی بنیاد پر قوم بنتی ہو تو کیا اپنے مذہب سے اختلاف رکھنے والوں کو "اے میری قوم" کہہ کر پکارنا عجیب و غریب معلوم نہیں ہوتا؟

اس سلسلہ میں مزید تائید اس واقعہ سے حاصل ہوتی ہے، جب کہ فرعون کی قوم میں سے ایک شخص مسلمان ہو گیا تھا اور قرآنِ مجید میں اس کے متعلق یوں مذکور ہے کہ:

"وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"آلِ فرعون میں سے ایک شخص نے، جو مومن ہو گیا تھا اور اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا تھا، کہا کہ کیا تم ایک ایسے شخص کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہو کہ وہ یُوں کہتا ہے، میرا رب اللہ ہے ......؟"

یہ آیت سورۂ مومن کی ہے۔ قرآن مجید میں یہ مقام ملاحظہ فرمائیے، یہ ایک شخص جو واحد مومن ہے، اپنے تمام مخاطبین کو، جو آلِ فرعون کے کافر ہیں، بار بار "یٰقَوْمِ، یٰقَوْمِ" (اے میری قوم، اے میری قوم) کے الفاظ سے مخاطب کرتا ہے اور پھر "قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ" کے الفاظ اس دعوائے کی دلیل میں ایک اور ثبوت مہیا کر رہے ہیں، اگر مومن ہونے کے باوجود اسے بھی "مِنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ" کہہ کر ذکر کیا گیا ہے، جبکہ اگر قوم کی بنیاد مذہب پر ہو تو اس بندۂ مومن کو آلِ فرعون سے الگ ذکر کیا جانا چاہیے تھا۔

علاوہ ازیں مذکورہ آیتِ قرآنی میں "یَکْتُمُ اِیْمَانَہٗ" کے الفاظ سے یہ مغالطہ نہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کو چھپانے کے لیے کفار مخاطبین کو "یٰقوم" کہہ کر پکارتا تھا کہ اس سے قبل کی دوسری آیت (قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا ......) میں ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اپنا حکم یہ ہے کہ:

"اے نبیؐ، آپ ان کفار کو یوں مخاطب کریں کہ اے میری قوم ...... الخ!"

اسی طرح قرآنِ مجید میں حضرت شعیبؑ کا ایک واقعہ یُوں مذکور ہے:

"قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ لَنُخْرِجَنَّکَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَکَ مِنْ قَرْیَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَلَوْ کُنَّا کٰرِھِیْنَ ہ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ مِلَّتِکُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا اللّٰہُ مِنْھَا وَمَا یَکُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْھَآ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ" (ابتدا پارہ ۹)

ان آیات میں قریہ (وطن)، ملّت، قوم تینوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ اور شعیبؑ فرماتے ہیں کہ میں تمہاری ملّت میں نہیں آؤں گا جبکہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دے دی ہے لہٰذا ہماری ملّت الگ ہے![1] ۔۔۔ لیکن ساتھ ہی "رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ قَوْمِنَا" کے الفاظ بھی ذکر کرتے ہیں یعنی ملّت الگ ہے لیکن قوم ایک ہی ہے کہ "اے اللہ، ہمارے اور ہماری قوم

---

[1] دیکھیے! ایک ملک کے شہری اور ایک بستی کے رہنے والے ہیں کہ ملّت مختلف ہے۔

© rasailojaraid.com

کے درمیان فیصلہ کر دے"!

پس قرآنی تصور میں قوم نسل کی بنیاد پر بنتی ہے — باقی اگر وطن کو اس میں شامل کیا جائے تو وطن کی بنیاد قوم نہیں ہوتی، — کہ وطن کا تصور تو اسلامی ہے ہی نہیں [1] اس سلسلے میں "وطن کی محبت ایمان سے ہے" والی حدیث کو علماء نے بناوٹی قرار دیا ہے)

اسی طرح دین کی بنیاد پر بھی قوم نہیں بنتی۔ دین کی بنیاد پر ملت بنتی ہے اور نسل کی بنیاد پر قوم — اسی لیے کتاب وسنت میں کہیں بھی قوم کا لفظ دین کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ پس لفظ "مسلمان قوم" غلط ہے، ہاں "مسلمان ملت"، یا "ملتِ اسلامیہ" کہہ سکتے ہیں — قوم کے اعتبار سے ہم جس نسل میں ہوں گے اس کے اعتبار سے ہم قوم ہیں۔ مثلاً پٹھان قوم — اسی طرح وطن کی بنیاد پر ہم پاکستانی تو ہو سکتے ہیں، ملتِ پاکستانیہ نہیں بن سکتے۔ ملت کی بنیاد صرف دین ہو گی۔ اور دین کی بنیاد پر جو تہذیب بنے گی وہ ملت ہوگا

ایک شعر:

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر، خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے مقبول شعراء کے کلام میں بھی یہ التباس پایا جاتا ہے کہ کہیں قوم کے معنوں میں ملت کو اور کہیں ملت کے معنوں میں قوم کو لیا گیا ہے، اگرچہ ترکیب کا فرق بھی کیا گیا ہے، تاہم اس سے التباس رفع نہیں ہوتا نہ صحیح وضاحت ہوتی ہے — اور یہ اثر ہے ہماری اس تعلیم کا، اس تہذیب کا جس میں ہم پلتے اور بڑھتے رہے ہیں اور اس کی وجہ صرف ایک ہے — قرآن سے دوری! اے اللہ! ہماری راہنمائی فرما، اور ہمیں کتاب وسنت سے مانوس کر دے! — آمین! یارب العالمین!

---

[1] سورۃ حجرات میں ہے: "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ" اے ایمان والو! کوئی قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے۔ دیکھیے! دونوں کو مومن ہونے کے باوجود الگ الگ قوم کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے ہمارے ہاں مروج "دو قومی نظریہ" کی قلعی بھی کھل جاتی ہے کہ اس کی حیثیت صرف سیاسی ہے علمی نہیں۔

٭ خط وکتابت کرتے وقت

خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں ورنہ تعمیل نہ ہو سکے گی!

مینیجر